اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

از: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

قرآن مجید فرقان حمید دنیا میں واحد کتاب ہے جس کو مسلسل 1400 سال سے شائع کیا جارہا ہے اور کسی زمانے میں اس کی اشاعت کے وقت اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہ کی جا سکی یہاں تک کہ زیر زبر پیش میں بھی کبھی مسلمانوں میں (معاذاللہ) تنازعہ نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا کیونکہ جب سے یہ نازل ہوئی ہے اس کو عربی زبان میں حفظ کرنے کا سلسلہ جاری ہے اسی لئے اس میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے یہاں راقم صرف ایک حوالہ انسائیکلوپیڈیا سے دینا چاہے گا جس سے دنیا کے سامنے یہ بتایا جاسکے کہ مسلمان ایک ایسی کتاب کے پیروکار ہیں جس پر تمام مسلمان ۱۴۰۰ سال سے متفق ہیں اور تاقیامت متفق رہیں گے۔ اور یہ گواہی بھی ایک عیسائی مصنف کی ہے۔

Yet There is no doubt that the Koran of today is substantially same as it came from Prophet (Muhammad Sallallaho Aalaihe Wasallam) (The Webster Family Encyclopedia V.10 p. 237, 1984)

قرآن کریم کا نزول مکہ کی وادی سے شروع ہوا جہاں تمام مقامی لوگ عرب تھے اور عربی زبان بولتے تھے اور قرآن کریم کے نزول کا اختتام مدینہ پاک کی وادی میں ہوا جہاں انصار بھی عربی ہی بولتے تھے۔ اللہ پاک نے اپنے کلام کو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا تاکہ پہلے پہل عمل کرنے والے اس کو اچھی طرح سمجھ کر عمل کر سکیں تاکہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے ماڈل بن جائیں اور پھر عجمی لوگ عملی قرآن ان صحابہ کرام کے عمل سے سیکھ سکیں اور یوں یہ سلسلہ جاری رہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ O (الیوسف:10)

بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا کہ تم سمجھو۔

ابتداًاہل عرب بالخصوص اہل مکہ کو ان کی مادری زبان میں کلام اللہ سنایا جارہا ہے تاکہ سب سے پہلے وہ اہل زبان ہونے کے باعث اس پر ایمان لائیں اور اس کو آسانی سے سمجھ سکیں اس کے بعد یہی لوگ اپنی آنے والی نسلوں کو اس کے مفاہیم پہنچائیں تاکہ قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ کی صحیح مراد کا ابلاغ ان تک ہو اور انہیں عربی زبان میں نازل شدہ وحی الٰہی کے معانی و مطالب واضح ہو سکیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا۔۔۔ (الشوریٰ: 7)

"اور یونہی ہم نے تمہاری طرف عربی قرآن بھیجا کہ تم ڈراؤ سب شہروں کی اصل (مکہ) والوں کو اور جتنے اس کے گرد ہیں۔۔۔۔۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف قرآن کریم کے متن (کلمات) کو پہنچانا نہیں تھی اگرچہ اول اول مخاطبین اہل عرب ہی تھے مگر اہل عرب عربی زبان جاننے کے باوجود اس کلام اللہ کی منشاء کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اسی لئے نبی کے ذریعہ اللہ بندوں سے خطاب فرمارہا ہے چنانچہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت نبی ورسول ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ ان آیات کے معانی و مطالب جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہیں، وہ لوگوں تک پہنچائیں چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ O (آل عمران: 164)

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

نبی کریم کی ظاہری حیات طیبہ میں ہی اسلام عرب سے نکل کر عجم تک پہنچ گیا تھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعدد عجمی لوگ، ہندو ایران کے باشندے، دائرے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور پھر خلفائے راشدین کے 30 سالہ دور میں انتہائی کثیر تعداد میں عجمی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پہلی صدی ہجری کا دور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا جو قرآن کریم کے ساتھ ساتھ سنت نبوی پر عمل درآمد کا مکمل آئینہ تھا اس لئے قرآن فہمی عجمی لوگوں کے لئے زیادہ

دشوار نہ تھی کیونکہ ان کے سامنے عملی نمونے موجود تھے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گذر تا گیا اور عملی قرآن کے نمونے کم ہونا شروع ہوگئے تو عجم سمیت عرب لوگوں نے بھی آیات کی منشائے الٰہی کو سمجھنے کی خاطر قرآن کریم کی طرف (اصل نمونے کی خاطر) رجوع کرنا شروع کر دیا۔ عام عربوں کو عربی زبان کے باعث بہت زیادہ مشکلات نہ تھیں مگر عجمیوں کے لئے قرآن کریم کو عربی میں سمجھنا آسان نہ تھا اس لئے جلد ہی عجمی زبانوں میں ترجمہ قرآن کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ ابتدائی دور میں ترجمہ قرآن کی سخت مخالفت بھی کی گئی مگر ضرورت کے پیش نظر قرآن پر ترجمہ کی پابندی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی اور سلسلہ تراجم دوسری صدی ہجری میں باقاعدہ شروع ہوگیا۔ یہ کام اس لئے بھی ضروری تھا کہ قرآن کا پیغام امر بالمعروف و نہی عن المنکر جب تک لوگوں کی مادری زبانوں میں نہیں پہنچایا جاتا اس وقت تک اس پر عمل درآمد میں مطلوبہ تیزی اور اثر پذیری کا حصول ناممکن تھا۔

تمام آئمہ کرام اس بات پر متفق رہے کہ ترجمہ قرآن کسی بھی زبان میں کیا جاسکتا ہے مگر ترجمۂ قرآن کے الفاظ دلیل قطعی نہ ہوں گے یعنی شرعی معاملات میں اس ترجمہ پر انحصار نہیں کیا جائے گا بلکہ اصل متن ہی سے استنباط کیا جائے گا کیونکہ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ میں جو معنوی گہرائی اور گیرائی ہے اس کو کسی بھی زبان کے ترجمہ میں نہیں ڈھالا جاسکتا جب عام کتاب کا ترجمہ اس پہلی زبان کی تمام مراد کو بعینہٖ نہیں ڈھال سکتا تو پھر قرآن تو کلام اللہ ہے اس کا ترجمہ آسانی سے کسی بھی زبان میں کیونکر اللہ اور اس کے رسول کی بعینہٖ مراد کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ قرآن کی بہت سخت اور بہت زیادہ شرائط ہیں۔ یہاں انتہائی اختصار سے ان دشواریوں کی نشاندہی کر رہا ہوں تا کہ اردو ترجمۂ قرآن کا مطالعہ کرتے وقت قاری اس بات سے آگاہ رہے کہ مترجم قرآن ترجمۂ قرآن کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر اہلیت رکھتا ہے تو اس ترجمۂ قرآن کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے اور اگر مترجم قرآن، ترجمہ قرآن کا اہل ہی نہیں تو اس ترجمہ کے مطالعے سے اس کو مکمل پرہیز کرنا چاہئے اب ملاحظہ کریں چند بنیادی شرائط:

فنِ ترجمہ اور اس کے بنیادی اصول:

قرآن مجید کے ترجمہ کی شرائط سے قبل فنِ ترجمہ کے چند بہت ہی اہم اور بنیادی اصول یہاں پیش کر رہا ہوں جو راقم نے مندرجہ ذیل اہل فن کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں مثلاً شان الحق حقّی، پروفیسر رشید امجد، ڈاکٹر سہیل احمد خاں، مظفر علی سید، احمد فخری، ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی، صلاح الدین احمد صاحب، نیاز فتحپوری وغیرہ۔

1۔ دونوں زبانوں اور ان کے ادب پر کامل دسترس۔

2۔ ترجمہ نگار کا اس زبان سے جن میں ترجمہ کیا جارہا ہے جذباتی اور علمی واقفیت اور ہم آہنگی۔

3۔ زبان کے ساتھ ساتھ جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے مترجم کا اس علم اور فن پر بھی کامل دسترس ہونا۔

4۔ دونوں زبانوں کے ساتھ ادبی مساوات اور ادبی رنگ بر قرار رکھنا۔

5۔ اہل کتاب کے مصنف کے لب ولہجہ کی کھنک کا باقی رکھنا جو کہ بہت ضروری ہے۔

6۔ مترجم کی تحریر میں انشاپردازی بھی بنیادی ضرورت میں شامل ہے۔

یہاں تفصیل میں جائے بغیر احقر قارئین کرام کی توجہ ترجمہ کے حوالے سے شق نمبر 3 کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ مترجم کتاب کو زبان کے ساتھ ساتھ اس علم وفن پر بھی مہارت رکھنا نہایت ضروری ہے جس فن کی کتاب کا ترجمہ کیا جارہا ہے مثلاً ایک انجینئر جو انگریزی زبان کا بھی ماہر ہے کیا ایک Advance Medical Science پر لکھی گئی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کر سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں کوئی انجینئر بھی اس کام کے لئے تیار نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ میڈیکل سائنس کی اصطلاحات سے بہت زیادہ واقف نہیں اس لئے وہ منع کردے گا اور کہے گا کہ یہ کام کسی اچھے میڈیکل سائنس کے استاد سے کروایئے جو میڈیکل سائنس کی اصطلاحات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ آپ کے ذہن میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ ایک انجینئر اس کام کو کیوں منع کررہا ہے کیا وہ لغت کی مدد سے اس میڈیکل سائنس کی کتاب کا ترجمہ نہیں کر سکتا تو وہ انجینئر مخلصانہ جواب دے گا کہ بے شک لغت (Dictionary) کی مدد سے میں ترجمہ تو کرلوں گا مگر میرے لئے انتہائی مشکل ہوگا کہ جب ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی لغت میں مل رہے ہوں گے تو میں کون سا لفظ ترجمہ کے لئے استعمال کروں کیونکہ اس لفظ کا صحیح چناؤ وہی کر سکے گا جو اس فن پر مکمل دسترس رکھتا ہوگا۔

قارئین کرام! اب آپ خود ہی سوچیں کہ ترجمہ کتنا مشکل کام ہے اور جب یہ مشکلات ایک عام فن کی کتاب میں اتنی زیادہ ہیں تو قرآن تو جمیع علوم کا خزانہ ہے اس کے لئے تو وہ تمام علوم وفنون کا جاننا ضروری ہوگا جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں علماء نے شرائط قائم کی ہیں کہ جب کوئی ان شرائط کو پورا کر سکے تب ہی وہ ترجمہ یا تفسیر قرآن کسی بھی زبان میں کرنے کے لئے سوچے اور پھر قلم اٹھائے۔

تفسیر و ترجمہ قرآن کے لئے شرائط:

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ئ) مفسر قرآن کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ مفسر قرآن کم از کم درج ذیل علوم پر ضروری دسترس رکھتا ہو:

"علم اللغۃ، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرأت، علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم اسباب نزول، علم قصص القرآن، علم الحدیث، علم ناسخ و منسوخ، علم محاورات عرب، علم التاریخ اور علم اللدنی"
(الاتقان فی علوم القرآن جلد 2 ص: 180 سہیل اکیڈمی 1980ء)

مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ ساتھ مفسر کو بہت زیادہ وسیع النظر، صاحب بصیرت ہونا چاہیے کیونکہ ذرا سی کوتاہی تفسیر کو تفسیر بالرائے بنادے گی جس کاٹھکانہ پھر جہنم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ومن قال فی القران برایئہٖ فلیتبوأ مقعدہ من النار (جامع ترمذی جلد 2 حدیث 861)

اور جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے چاہیے کہ اپناٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

قارئین حضرات! علامہ سیوطی کی قائم کردہ شرائط کی روشنی میں مترجم قرآن کی ذمہ داری مفسر قرآن سے بھی زیادہ سخت نظر آتی ہیں کیونکہ تفسیر میں مفسر ایک لفظ کی شرح میں ایک صفحہ بھی لکھ سکتا ہے مگر ترجمہ قرآن کرتے وقت عربی لفظ کا ترجمہ ایک ہی لفظ سے کرنا ہوتا ہے اس لئے مترجم قرآن کا کسی بھی زبان میں ترجمہ منشاالٰہی کے مطابق یا منشائے الٰہی کے قریب قریب کرنا مشکل ترین کام ہے۔ البتہ تمام شرائط کے ساتھ ترجمہ قرآن اس وقت ممکن ہے کہ جب مترجم قرآن تمام عربی تفاسیر، کتب احادیث، تاریخ، فقہ اور دیگر علوم و فنون پر دسترس کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب پر مکمل عبور رکھتا ہو اور وہ ایک عبقری شخصیت کا حامل ہو ساتھ ہی مترجم قرآن کتاب اللہ کو عربی زبان میں سمجھنے کی حد درجہ صلاحیت رکھتا ہو تب ہی ترجمہ قرآن منشائے الٰہی اور فرمان رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہو گا۔

قارئین کرام! آیئے چند معروف اردو تراجم قرآن کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ کون کون سے تراجم قرآن وہ تمام شرائط پوری کرتے نظر آتے ہیں جو علامہ سیوطی اور دیگر اکابرین نے قائم کی ہیں۔ اگر ترجمۂ قرآن تمام ضروری شرائط کے ساتھ پایا گیا تو یقیناوہ ترجمۂ قرآن عوام الناس کے مطالعہ کے لئے کار آمد ہو گا اور اگر ترجمۂ قرآن ان شرائط پر پورا نہیں اترتا تو وہ

ترجمہ لوگوں کو نہ صرف دین سے دور کر دے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں اس لئے ان عبارتوں کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں۔

مختصر تاریخ اردو ترجمہ قرآن:

بارہویں صدی ہجری میں اردو زبان برصغیر پاک وہند میں نہ صرف ادبی زبان بن کر اُبھر رہی تھی بلکہ کثیر تصنیفات و تالیفات اور تراجم کے باعث ایک عام فہم زبان بھی بنتی جارہی تھی۔ اگرچہ دکن کی اسلامی ریاستوں میں عرصہ دراز سے اردو زبان میں عقائد تصوف واخلاقیات اور فقہی کتابوں کے تراجم ہو رہے تھے مگر اردو ترجمۂ قرآن کا آغاز ابھی نہ ہوا تھا۔ شاید اردو کی نشوونما کی ابتداء میں چونکہ ذخیرۂ الفاظ محدود تھا اس لئے ترجمۂ قرآن کی طرف علماء نے قدم نہ اٹھایا۔ دوسری طرف برصغیر سے عربی زبان کے بعد فارسی زبان بھی تیزی کے ساتھ رخصت ہونے لگی تو عوام تو عوام، خواص کے لئے بھی اب ترجمہ قرآن اردو زبان میں ضروری سمجھا جانے لگا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م1176ھ) جو خود فارسی ترجمہ قرآن کے برصغیر میں اولین مترجم میں شمار ہوتے ہیں ان کے دو صاحبزادوں کو اردو زبان کے ترجمہ قرآن کے اولین مترجم ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (م 1233ھ /1817ء) نے اردو زبان کا پہلا مکمل لفظی ترجمہ قرآن 1200ھ میں مکمل کیا جب کہ آپ کے چھوٹے بھائی شاہ محمد عبدالقادر دہلوی (م 1230ھ / 1814ء) نے اردو زبان کی تاریخ کا پہلا مکمل بامحاورہ ترجمہ قرآن 1205ھ /1790ء میں مکمل کیا۔ یہ دونوں تراجم قرآن تیرھویں صدی ہجری ہی میں شائع ہونا شروع ہوگئے جس کے باعث ان کو اولیت کے ساتھ ساتھ پذیرائی بھی حاصل ہوئی اگرچہ تاریخ میں ان دونوں اردو تراجم قرآن سے قبل کے بھی تراجم پائے جاتے ہیں لیکن یا تو وہ مکمل ترجمہ قرآن نہیں تھے یا مخطوطہ ضائع ہوگئے اس لحاظ سے ان دونوں بھائیوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ ایک لفظی ترجمہ قرآن کا بانی ہے تو دوسرا بامحاورہ ترجمہ قرآن کا حامل۔

شاہ برادران کے بعد فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ1214ھ/ 1800ء) نے پہلے انجیل کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا اور پھر 5 مولوی حضرات نے مل کر اردو میں ترجمہ قرآن (1219ھ /1804ء) میں مکمل کیا۔ تیرھویں صدی ہجری میں ایک محتاط اندازے کے مطابق 25 ترجمہ قرآن اردو زبان میں کئے گئے مگر کسی کو بھی شاہ برادران کی طرح پذیرائی

حاصل نہ ہو سکی البتہ سر سید احمد خاں کی تفسیر اور ترجمہ 15 پاروں تک شائع ہوا تھا اور علی گڑھ کے ہم خیال لوگوں کے درمیان اس کو پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ مگر سر سید احمد خاں کے ترجمہ قرآن سے جدید ترجمہ قرآن کا دور شروع ہوتا ہے جس میں عام روایت سے ہٹ کر ترجمہ اور تفسیر کی گئی۔ اس جدید رجحان کو علی گڑھ سے فارغ التحصیل افراد نے سر سید کی فکر کو آگے بڑھانے میں بہت مدد دی۔ سر سید احمد خان کے ہم خیال لوگوں نے اپنی دانست میں ترجمہ قرآن کو ایک عام کتاب سمجھ کر ترجمہ کرنا شروع کر دیا جس کے باعث ایک بڑی تعداد مترجمین کی سامنے آئی جن میں سے چند اردو مترجمین قرآن کے نام معروف ہیں مثلاً نذیر احمد دہلوی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی فتح محمد جالندھری، مرزا وحید الزماں، مولوی عبد اللہ چکڑالوی، ابو الکلام آزاد، چودھری غلام احمد، عبد الماجد دریا آبادی۔ سر سید احمد خان کے رفقاءکار کے علاوہ ایک بڑی تعداد مترجمین قرآن کی دارالعلوم دیوبند (قائم شدہ 1283ھ) کے مترجمین کی بھی چودھویں صدی ہجری میں سامنے آتی ہے جن میں مندرجہ ذیل مترجمین کے نام قابل ذکر ہیں: مولوی فیروز الدین روحی، مولوی محمد میمن جوناگڑھی، مرزا حیرت دہلوی، مولوی عبد الحق، مولوی محمد نعیم دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی محمد الحسن دیوبندی وغیرہ۔

چند معروف اردو مترجمین قرآن کا مختصر علمی تعارف:

راقم یہاں ان چند اردو مترجمین قرآن کا تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہے جن کے تراجم کا تقابلی مطالعہ آگے پیش کیا جائے گا۔ ان کے علمی تعارف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قارئین حضرات جب کسی اردو ترجمہ قرآن کا مطالعہ کر رہے ہوں تو وہ مترجم کے متعلق اتنا ضرور جانیں کہ آیا وہ ترجمہ قرآن کا اہل بھی تھا یا نہیں کیونکہ ترجمہ قرآن پڑھنے والا عربی زبان سے واقف کار نہیں ہوتا وہ تو جو اردو میں ترجمہ دیکھے گا، پڑھے گا اس کو وہ من جانب اللہ ہی سمجھے گا کہ یہ ہی اللہ کی منشا اور حکم ہے۔ یہ انسان کی عام فطرت بھی ہے کہ جو علم اس کو نہیں آتا اور پہلی مرتبہ اس کے متعلق سنے گا یا پڑھے گا وہ اس کو ہی حق جانے گا اس لئے راقم بہت ذمہ داری سے یہ بات لکھ رہا ہے کہ اردو زبان میں ترجمہ پڑھنے والے مطالعہ سے پہلے مترجم کے متعلق ضرور معلومات حاصل کریں۔ جس طرح آپ اپنے پیچیدہ مرض کے لئے کسی بھی ڈاکٹر کو دکھانے سے پہلے دو چار سے مشورہ کرکے اور اس ڈاکٹر کی صلاحیتوں کے متعلق معلومات حاصل کرکے اس کے پاس جاتے ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ راستہ پر چلنے سے پہلے یہ ضروری معلومات حاصل کرلیں کے اللہ کی طرف راستہ دکھانے والا اس بات کا اہل بھی ہے اور کیا وہ ترجمہ قرآن کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔

یہاں جن معروف مترجمین قرآن کا تعارف پیش کیا جارہا ہے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(1) سرسید احمد خان علی گڑھی (2) مولوی عاشق الٰہی میرٹھی
(3) مولوی فتح محمد جالندھری (4) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
(5) مولوی محمود الحسن دیوبندی (6) مولوی مرزا وحید الزماں
(7) مولوی اشرف علی تھانوی (8) امام احمد رضا محدث بریلوی
(9) ابوالکلام آزاد (10) سید ابوالاعلیٰ مودودی

1۔ سرسید احمد خاں:

آپ دلّی میں 1233ھ / 1817ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید میر تقی سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) کے مرید تھے۔ ابتدا میں دینی تعلیم گلستان، بوستان اور عربی میں شرح ملا جامی تک چند کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ آپ کے سوانح نگار مولوی الطاف حسین حالی "حیات جاوید" میں رقمطراز ہیں جن میں خود سرسید اپنی سوانح بیان کرتے ہیں:

"میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں، کنکوّے اڑائے، کبوتر پالے، ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری، کافر اور بے دین کہلوائے اور رکھا ہی کیا ہے" (حیات جاوید، ص26)

سرسید احمد خان ملازمت کے سلسلے میں 1841ء تا 1876ء بطور کلکٹر مختلف شہروں میں رہے اور پھر پنشن لے کر علیگڑھ آگئے۔ سرسید احمد خاں نے دوران ملازمت تصنیف و تالیف اور ترویج علوم کے لئے خاصا وقت صرف کیا اس دور کی تصانیف میں (1) قول متین در ابطال حرکت زمین، (2) انتخاب الاخوین (3) رسالہ اسباب بغاوت ہند اور مشہور تالیف آثار الصنادید قابل ذکر ہیں۔

سرسید احمد خاں نے 1875ء میں ابتدائی مدرسہ علی گڑھ میں قائم کیا اور جلد ہی 1876ء میں کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کالج نے 1878ء سے کام شروع کر دیا اور 1883ء میں اس کو یونیورسٹی کا درجہ مل گیا۔ سرسید احمد خاں نے اسی دوران برٹش انڈین ایسوسی ایشن، سائنٹفک سوسائٹی، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا اہتمام ابھی کیا جس کے باعث آپ کو "سر" اور

خاں بہادر کے القاب سے نوازا گیا۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات میں ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن بھی ہیں جن کو لکھ کر آپ نے برصغیر میں آزاد خیال ترجمہ اور اردو تفسیر قرآن بالرائے کی بنیاد رکھی۔

2۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی:

آپ 1298ھ / 1881ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے 1315ھ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی۔ 1317ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرس دوم کی حیثیت سے ملازمت شروع کی اور جلد ہی خیر المطابع کے نام سے مطبع کھولا اور اپنا ترجمہ کردہ ترجمہ قرآن (1318ھ) 1319ھ میں شائع کیا۔
(قاری فیوضی الرحمن "مشاہیر علماء دیوبند" جلد اول ص 242 مطبوعہ لاہور)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عاشق الٰہی نہ تو کسی معروف مدرسہ سے فارغ ہیں اور نہ اتنی دینی صلاحیت کے ماہر ہیں کہ 20 سال سے بھی کم عمر میں قرآن کریم کا اردو ترجمہ کر لیا یقیناً یہ تعجب خیز عمل معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جو صرف مولوی فاضل کی کتابیں پڑھا ہوا ہے اس میں کہاں سے یہ استعداد آگئی کہ اس نے قرآن پاک کا صرف ۲۰ سال کی عمر میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اپنا مطبع اس لئے قائم کیا کہ ترجمہ قرآن کی زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے لیکن یہ ترجمہ عام لوگوں میں مقبول نہ ہوسکا۔ دوسرا تعجب یہ ہے کہ آپ نے اور کوئی قابل ذکر علمی تصنیف یادگار نہ چھوڑی جس سے آپ کی علمی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ہوتا کہ واقعی آپ کم عمر میں ترجمہ قرآن کرنے کے اہل تھے۔

3۔ مولوی فتح محمد جالندھری:

مولوی فتح محمد مترجم قرآن کی حیثیت سے عوام میں متعارف ضرور ہیں مگر نہ تو مورخین نے اور نہ ہی سوانح نگاروں نے آپ کا تعارف اپنی تالیفات میں کرایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ عالم دین ہیں اور دینی کتابوں کے مصنف بھی۔ البتہ ترجمہ قرآن ان کا ایک واحد قلمی کارنامہ ہے جو تاریخ میں محفوظ ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق یہ ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد کا تھا ۔مولوی فتح محمد اس ترجمہ کو آپ اپنے ساتھ لے گئے کہ اس کو صاف صاف لکھ کر واپس کر دیں گے مگر اس ترجمہ کو واپس لانے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد "فتح الحمید" کے نام سے اس ترجمہ کو (اپنے نام سے) شائع کر دیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ علمی سرقہ قرار پائے گا۔ یہاں راقم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جالندھری صاحب کا علمی

پابہیٔ کیا ہے اور کیا وہ ترجمۂ قرآن کے اہل تھے یا نہیں۔ تو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ مستند عالم دین تھے نہ مصنف اور نہ ہی آپ کی اس زمانے میں کوئی علمی شہرت تھی البتہ ترجمۂ قرآن کے باعث آپ مترجمین قرآن کی صف میں ضرور شامل ہوگئے اور افسوس کہ حکومت پاکستان نے اس ترجمہ قرآن کو سرکاری ترجمہ بنا رکھا ہے کہ جس کا مترجم ایک غیر معروف اور مجہول العلم شخص ہے۔ مولوی فتح محمد نے اپنی خفت مٹانے کے لئے شاہ عبد القادر کے ترجمہ کا سہارا لیا اور ایک مقام پر لکھا کہ:

"یوں سمجھئے کہ شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ اگر مصری کی ڈالیاں ہیں تو یہ ترجمہ شربت کے گھونٹ نہایت آسان"۔

(ڈاکٹر صالح شرف الدین قرآن حکیم کے اردو تراجم ص ۲۶۲)

قارئین کرام! یہاں راقم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ خود مترجم اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ کا چربہ ہے۔

4۔ڈپٹی نذیر احمد دہلوی:

مولوی نذیر احمد دہلوی 1830ء یا 1836ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سعادت علی دہلوی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مولوی نصر اللہ خورجی (م 1299ھ) سے عربی صرف ونحو اور فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی اور پھر قدیم دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی علوم میں تعلیم حاصل کی۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلی کالج میں تعلیم کے دوران نئے دور کے تقاضوں سے متاثر ہوئے اور اردو ادب کے استاد رام چندر سے تفصیلی استفادہ کیا جو علمی اسلوب نثر نگاری کے بانی تھے۔ انگریز حکومت کی طرف سے "شمس العلماء کا خطاب بھی ملا اور L.L.D اور L.L.O کی اعزازی سندیں بھی حاصل کیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ابتدائی دور 1872 تا 1893ء ادبی تصنیفات کا دور ہے جس کے دوران 30 سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائیں۔ ان میں ادبی کتابوں کے علاوہ درسیات واخلاقیات اور مذہبیات کے عنوان پر تحریریں بھی قابل ذکر ہیں۔ لیکن آپ کا اصل جوہر اردو زبان کے ناول نگار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جن کے وہ بانی بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے ایک کتاب بعنوان "امہات المومنین" بھی تحریر فرمائی تھی جس میں اپنے مخصوص ظریفانہ لب ولہجہ کا اظہار اور محاوروں کا کثرت سے بے جا استعمال کیا جس کے باعث اس کتاب کے خلاف تکفیر کا ہنگامہ برپا ہوا اور اس کی تمام جلدیں جلادی گئی۔ (ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "ڈپٹی نذیر احمد" مطبوعہ)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے اردو ترجمۂ قرآن سے متعلق ایک عجیب وغریب انکشاف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی صاحب نے اپنے PhD کے مقالے بعنوان "قرآنی تراجم وتفاسیر ایک تاریخی جائزہ" (غیر مطبوعہ) میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے پوتے مسلم احمد دہلوی کی روایت کردہ ایک بیان سے کیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"مولوی نذیر احمد دہلوی کی ہمشیرہ اُم عطیہ بڑی عالمہ وفاضلہ تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولوی نذیر احمد صاحب روزانہ چند آیات کا ترجمہ کرکے اپنی ہمشیرہ کے پاس بھیج دیتے اور وہ نظر ثانی فرماتیں۔ مولوی صاحب نے ترجمہ لکھوانے کے لئے پانچ آدمی کی ایک ٹیم بنائی تھی جس میں مولوی فتح محمد جالندھری بھی شامل تھے۔ مولوی فتح محمد ڈپٹی صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ کا مسودہ ام عطیہ کے پاس لے جاتے اور وہ اس کی تصحیح فرماتیں۔ جب یہ ترجمہ مکمل ہوگیا تو ڈپٹی صاحب نے پورے ترجمہ کا مسودہ مولوی فتح محمد جالندھری کو نقل کرنے کے لئے دے دیا۔۔۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی فتح محمد نے اس ترجمہ کو اپنے نام سے شائع کر دیا۔ ڈپٹی صاحب کو اس واقعہ سے سخت تکلیف پہنچی اور ان کی ہمت ٹوٹ گئی لیکن ان کی ہمشیرہ نے پھر ہمت بندھوائی اور فرمایا کہ دوبارہ اس ترجمہ کے کام کو شروع کیا جائے۔ اس دفعہ 10 آدمی ترجمہ لکھنے کے لئے مقرر ہوئے اور ام عطیہ نے دوبارہ اس پورے مسودے کی تصحیح فرمائی۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ قرآن میں جو عبارتیں قوسین میں ہیں وہ ام عطیہ کی عبارتیں ہیں"۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "قرآنی تراجم اور تفاسیر ایک تاریخی جائزہ" PhD مقالہ، ص400۔ 401)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ اور حواشی "غرائب القرآن" کے نام سے مشہور ہے جو 1895ء میں شائع ہوا جس کی اشاعت کے بعد کئی علماء نے تنقید بھی فرمائی۔ مولوی اشرفعلی تھانوی نے "اصلاحِ ترجمہ دہلویہ" کے نام سے ۲۴ صفحات پر مشتمل رسالہ لکھا جس میں اس ترجمۂ قرآن پر اعتراضات وارد کئے ہیں اس کے علاوہ ان کے کئی ہم عصر اور بعد کے علماء نے ان کے ترجمہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔

شاہ برادران کے اردو تراجم قرآن کے لگ بھگ 100 سال کے بعد 1314ھ میں ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن سامنے آتا ہے۔ یہ ترجمہ اگرچہ ان دونوں تراجم سے مختلف ہے لیکن انتہائی کثرت سے محاورات کا جاو بے جا استعمال کیا گیا ہے۔ ڈپٹی صاحب چونکہ بنیادی طور پر ناول نگار تھے بلکہ ناول نگاری کے بانی تھے انھوں نے اپنے ترجمہ میں بھی اس رنگ کو اپنانے

کی کوشش کرتے ہوئے محاورات کا بے جا استعمال کیا ہے جس کہ باعث اس کو ترجمہ کہنے کے بجائے محاوراتی ترجمہ یا توضیحی و تشریحی ترجمہ کہا جائے تو بہتر ہو گا۔ تعجب یہ ہے کہ انھوں نے محاورات کے استعمال کے آگے قرآنی متن کا بھی خیال نہ رکھا۔

اردو ادب کے بعض ناقدین نے ڈپٹی صاحب کو مترجم قرآن کی حیثیت سے بہت سراہا ہے مگر ترجمۂ قرآن میں کی گئی بے اعتدالیوں سے صرف نظر کر گئے۔ خیال رہے کہ یہ کلام الٰہی ہے کلام انسان نہیں لہٰذا کسی بھی قسم کی بے اعتدالی قرآن کے ترجمہ میں مناسب نہیں ہو گی۔

5۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی:

آپ 1268ھ / 1852ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور دار العلوم دیوبند سے 1288ھ میں فارغ التحصیل ہوئے اور اس مدرسہ میں 1308ھ میں صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ مولوی قاسم نانوتوی (م 1297ھ / 1880ء) سے کتب صحاح ستہ کا درس لیا۔ آپ نے جزائر مالٹا میں اسیری کے دوران (1335ھ / 1317ء تا 1338ھ / 1919ء) قرآن مجید کا اردو زبان میں ترجمہ مکمل کیا اور ساتھ ہی سورہ النساء تک حواشی بھی تحریر فرمائے۔ رہائی کے بعد جب ہندوستان واپس لوٹے تو ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں انتقال ہو گیا۔ آپ نے ترجمہ قرآن کے علاوہ چند مذہبی نوعیت کی چھوٹی بڑی ۱۰ کتابیں اردو زبان میں اور تحریر فرمائیں مگر آپ کی وجہ شہرت ترجمہ قرآن ہے۔

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ قرآن "موضح القرآن" کو بنیاد بنا کر ترجمہ کیا ہے۔ حقیقت میں مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب نے صرف متروک محاورات یا الفاظ کو جو شاہ عبد القادر کے ترجمہ میں ہیں ان کو تبدیل کیا ہے اور کہیں کہیں الفاظ کے توضیحی ترجمے کئے ہیں احقر نے اپنی پی۔ایچ۔ڈی تھیسس "کنزالایمان اور دیگر معروف تراجم کا تقابلی جائزہ" کی تیاری کے دوران مولوی صاحب کے ترجمہ کا بغائر تجزیہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ محولہ ترجمہ میں مولوی محمود الحسن صاحب کا حصہ بمشکل 20 فیصد ہے جبکہ 80 فیصد ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب کے "موضح القرآن" کا چربہ ہے چنانچہ مترجم موصوف خود اپنے مقدمہ میں اس بات کا نہ صرف اظہار کرتے ہیں بلکہ اقرار کرتے ہیں کہ

مترجمین کی صف میں ایسا ہی شامل ہوا ہوں جس طرح کوئی لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتا ہے ملاحظہ کیجئے آپ کی اپنی تحریر ترجمہ قرآن سے متعلق:

"تراجم موجودہ صحیحہ معتبرہ (ترجمہ شاہ عبد القادر و شاہ رفیع الدین دہلوی) کے ہوتے ہوئے ہمارا جدید ترجمہ کرنا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہے جس سے نہ مسلمانوں کو کوئی نفع معتبرہ پہنچ سکتا ہے نہ ہم کو۔۔۔۔۔ ہم کو جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر نہایت مذموم اور مکروہ تک نظر آتا ہے۔

(مولوی محمود الحسن 'ترجمہ قرآن' مقدمہ، ص: 2، مطبوعہ کراچی)

قارئین کرام! خود مترجم کے اعتراف کے بعد کہ اس کو مترجم کہنا مناسب نہیں اور جدید ترجمہ کرنا فضول سے بڑھ کر مذموم ہے اس لئے مولوی محمود الحسن کا ترجمہ قرآن شاہ عبد القادر کے ترجمہ قرآن کا چربہ قرار پائے گا اور اس کو اصل ترجمہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ آپ کیونکہ عالم دین تھے اور دیوبند کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے اسلئے مترجمین کی صفوں میں شامل سمجھے گئے۔

6۔ مولوی نواب وحید الزماں:

مولوی وحید الزماں ابن نور محمد ابن شیخ احمد فاروقی کانپور میں 1850ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا۔ درس نظامی کی سند مدرسہ فیض عام کانپور سے حاصل کی۔ آپ ابتدا ًمیں پکے حنفی تھے اور ابتدا ًسلسلۂ قادریہ، پھر نقشبندیہ سلسلہ میں مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (م1895ء) سے بیعت بھی ہوئے جن سے حدیث مسلسل بالترجمہ کی سند بھی حاصل کی۔ مولوی وحید الزماں اپنے بڑے بھائی مولوی بدیع الزماں (م 1312ھ) سے متاثر ہو کر حنفیت چھوڑ کر اہل حدیث کے مکتبہ فکر میں شامل ہوگئے اور ساتھ ہی طریقت کو بھی ترک کر دیا۔ آپ نے ایک سو سے زیادہ کتب یادگار چھوڑی ہیں ان میں تراجم و تالیفات و تصنیفات سب شامل ہیں مگر زیادہ رشحات قلم فن حدیث کی کتابوں کی صورت میں ہیں۔ آپ کی ایک کاوش ترجمۂ قرآن بھی ہے جس کو " موضحۃ القران" کے نام سے آپ نے 1903ھ میں مکمل فرمایا اس کے علاوہ تفسیری وحیدی، لغات القرآن اور اشارۃ الاخوان بفضائل القرآن کے نام سے بھی تالیفات تحریر فرمائیں۔

مولوی وحید الزماں حدیث وفقہ کی کئی درجن کتابوں کے مصنف ومترجم ہیں مگر آپ کے ترجمہ قرآن کے مطالعہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یاتو قرآن کے اصل معانی ومطالب پر ان کی نظر کمزور تھی یا آپ کسی نئے رجحان کی نمائندگی کررہے ہیں جدید خیالات وافکار کی ترجمانی کا عنصر ان کے ترجمۂ قرآن میں نمایاں ہے اور ترجمہ قرآن کرتے وقت اکثر مقامات پر وہ غیر ضروری اضافے کرجاتے ہیں جس سے روحِ قرآن مجروح ہوتی ہے۔ مثلاً:

(اے پیغمبر) خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو معبود نہ بنا۔ (بنی اسرائیل: 22)
(اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو (مشرکوں کی طرح) مت پکار۔ (الشعراء:213)
اور (اے پیغمبر) تجھ کو یہ امید کہاں تھی کہ تجھ پر کتاب اترے گی مگر یہ تو تیرے مالک کی مہربانی ہوئی کہ تجھ پر قرآن اترا۔ (القصص: 86)

7۔ مولوی اشرف علی تھانوی:

مولوی اشرف علی تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر میں (1280ھ / 1863ء) میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں 1295ء میں داخل ہوئے اور 21 سال کی عمر میں فارغ تحصیل ہوئے۔ اس دارالعلوم میں آپ نے مولوی یعقوب نانوتوی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی سید احمد دیوبندی اور مولوی عبد العلی میرٹھی سے اکتسابِ فیض کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (المتوفی 1317ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت بھی حاصل کی۔

مولوی اشرف علی تھانوی کثیر تصانیف لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر صحیح تعداد اور موضوعات پر تذکرہ نگاروں نے ابھی تک توجہ نہیں دی۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی تصانیف علوم دینیہ کے مختلف موضوعات پر صرف اردو زبان میں ملتی ہیں۔ ان میں ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کے علاوہ فتاویٰ بھی ہیں آپ نے طویل عمر پائی اور 82 سال کی عمر میں 1362ھ میں تھانہ بھون میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ نے اپنے ترجمۂ قرآن اور کتاب "بہشتی زیور" سے کافی شہرت پائی۔ مولوی صاحب کا ترجمہ قرآن 1905ء میں مکمل ہوا اور 1908ء میں دہلی سے شائع ہوا اس ترجمہ کے ساتھ مقدمہ بھی تحریر ہے جس میں اپنے ترجمہ کرنے کی غرض وغایت بھی بیان کی ہے آپ لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنا شروع کئے ہیں جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیے جن سے عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی۔۔۔۔۔چونکہ کثرت سے ترجمہ بنی کا مذاق پھیل گیا ہے۔۔۔ مشورے سے یہ ہی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جائے جن کی زبان وطرز بیان و تقریر مضامین میں ان کے مذاق وضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ رہے۔"
(مولوی اشرفعلی تھانوی مقدمہ بیان القرآن، ص: 2، تاج کمپنی لمیٹڈ)

ڈاکٹر صالحہ اشرف اپنی تصنیف "قرآن حکیم کے اردو تراجم" میں مولوی اشرفعلی تھانوی کے اس مقدمے پر گفتگو کرتے ہوئے ص:283 پر رقمطراز ہیں:
"جن تراجم کے غیر اطمینان ہونے کی طرف مولانا نے اشارہ کیلئے اس میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مرزا حسرت دہلوی اور سرسید احمد خاں کے ترجمے شامل ہیں۔ مولانا تھانوی مسلک میں روایتی عقائد کو پسند نہیں کرتے تھے۔"

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات سامنے آئی کہ اشرفعلی تھانوی نے اس لئے ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کی کہ ان کے زمانے میں جتنے بھی ترجمہ قرآن تھے اولاً وہ معیاری نہ تھے۔ دوم، وہ قواعد شرعیہ کے خلاف تھے۔ قارئین کرام! احقر نے یہاں سات (7) مترجمین کا تعارف کروایا ہے اور ان سب کے ترجمہ سے متعلق مولوی اشرفعلی تھانوی کا تجزیہ میرے مقصد کی حمایت کرتا ہے کہ یہ مترجمین ترجمہ قرآن کے اہل نہ تھے اور اس قسم کے تراجم سے مترجمین کی طرح لوگوں کے نظریات میں بھی تبدیلی آئی جس کے باعث فرقے بنتے چلے گئے اور وہ روح قرآن سے دور ہوتے چلے گئے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ جن غیر معیاری اور خلاف قواعد تراجم کی نشاندہی مولوی اشرفعلی تھانوی اپنے مقدمے میں کررہے ہیں اسی قسم کی بے اعتدالیاں خود ان کے ترجمۂ قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ کاش کہ وہ اپنے ترجمۂ قرآن کو بھی اسی نظر سے دیکھ لیتے جس طرح دوسرے تراجم کو دیکھا تھا تاکہ ان کا ترجمہ قرآن ان اغلاط سے پاک ہوجاتا جو پچھلے مترجمین کرچکے تھے۔

مولوی اشرفعلی تھانوی کا ترجمہ قرآن اگرچہ پچھلے تراجم کے مقابلے میں زیادہ سلیس اور عام فہم ہے اور محاورات کا استعمال بھی قدرے کم اور کسی حد تک ضرورت کے مطابق ہے مگر آپ کا یہ ترجمہ توضیحی اور نثری زیادہ ہے۔ اس نہج کو بعد کے مترجمین نے اور آگے بڑھایا اور ترجمہ قرآن کے بجائے مفہوم القرآن اور پھر تفہیم القرآن کردیا۔

مولوی اشرفعلی تھانوی نے اپنے ترجمۂ قرآن میں انبیاء کی عظمت کو اجاگر کرنے کے بجائے اتنا گرادیا کہ مسلمان کا دل لرز جائے مثلاً وہ نبی کو خطاکار (ص:574)، غافل (ص:360)، شریعت سے بے خبر (ص:481)، ایمان سے بے خبر (ص:551) تک لکھ دیتے ہیں۔ (مولوی اشرفعلی، ترجمہ قرآن، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی)

8۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی:

مولانا احمد رضا خاں محمدی حنفی قادری برکاتی محدثِ بریلوی ابن مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (م 1297ھ / 1880ھ) ابن مولانا مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی (م1282ھ / 1866ء) بریلی میں (1272ھ / 1856ء) پیدا ہوئے اور 14 سال سے بھی کم عمر میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ "مصباح العلوم" سے 1286ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ اپنے والد کے ساتھ سلسلہ قادریہ میں شاہ آلِ رسول مارہروی (1296ھ) سے بیعت ہوئے اور والد صاحب کے ساتھ ہی پہلا حج 1295ھ میں ادا کیا جبکہ دوسرا حج 1324ھ میں ادا کیا۔ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ دورِ طالبعلمی میں شروع کردیا تھا اور آخر عمر تک یہ مشغلہ جاری رہا جس کے باعث ایک ہزار سے زیادہ کتب تصنیف و تالیف فرمائیں جو اردو، فارسی اور عربی زبان پر مشتمل ہیں۔ آپ نے علومِ نقلیہ و عقلیہ کے تمام عنوانات پر قلمی رشحات یادگار چھوڑے ہیں جن میں سے 40 فیصد زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ آپ کے قلمی رشحات میں سے چند کتب نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی مثلاً:

1۔ فتاویٰ رضویہ 12 مجلدات جس میں ہزاروں فتاویٰ کے علاوہ 150 سے زیادہ رسائل ہیں۔ یہ فتاویٰ تین زبانوں پر مشتمل ہے یعنی اردو، فارسی اور عربی جبکہ ایک فتوی انگریزی میں بھی ہے۔

2۔ ترجمہ قرآن "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" جو آپ نے 1330ھ میں مکمل فرمایا۔

3۔ حدائقِ بخشش نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ جس میں اردو زبان کا طویل ترین سلام "مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" بھی ہے جو زمین کے ہر خطے میں پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

4۔ کفل الفقیہ الفاہم فی قرطاس الدراھم۔
5۔ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ۔
6۔ فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین۔
7۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین۔
8۔ جدِ الممتار علی ردّ المحتار۔
9۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت۔
10۔ احکام شریعت وغیرہم

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی غیر معمولی صلاحیتوں کے پیشِ نظر آپ کے ہم عصر علمائے عرب و عجم نے آپ کو 1318ھ / 1900ء میں 14ویں صدی ہجری کا مجدد دین و ملت تسلیم کیا اور آپ کو مجدد مائتہ حاضرہ، امام، محدث، مجتہد، اور فقیہہ اعظم و وقت کا نابغہ روز گار تسلیم کیا گیا۔ آپ دنیائے اسلام میں امام احمد رضا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے لقب سے زیادہ معروف ہوئے۔ آپ کی علمی کاوشیں گواہ ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے ہر علم و فن پر دسترس رکھنے والے راسخ العلم عالم تھے اور اس اعتبار سے آپ کا کوئی مد مقابل نہ آپ کے دور میں نہ ہی اس دور میں نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ حضراتِ علماء کے درمیان اعلیٰ تسلیم ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے لقب سے پکارے گئے جو اب آپ کے نام کا حصہ بن چکا ہے۔

9۔ ابو الکلام آزاد:

آپ کا نام احمد تھا اور مکہ مکرمہ میں 1305ھ / 1888ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی مولوی خیر الدین دہلوی (م1326ھ / 1908ء) شاہ عبد الغنی دہلوی کی مسند پر ایک زمانے تک درسِ بخاری دیتے رہے۔ صوفی منش بزرگ تھے جن کے ہزارہا مرید کلکتہ اور دہلی میں آباد تھے۔ مولوی آزاد صاحب نے دس برس کی عمر میں کلکتہ میں اپنے والد سے اردو، فارسی ادب کے علاوہ فقہ کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ ان کے علاوہ مولوی آزاد کے استادوں میں قابلِ ذکر نام مولوی نذیر الحسین امیٹھوی، مولوی سعادت حسین اور مولانا محمد شاہ رامپوری قابلِ ذکر ہیں۔

ابتداء میں مولوی آزاد کی طبیعت کو ان علوم سے زیادہ رغبت نہ تھی چنانچہ موسیقی سے لگاؤ بڑھا اور مرزا محمد ہادی سودا سے فنِ موسیقی میں استفادہ کیا، ستار سے کافی پیار تھا یہاں تک کہ چاندنی راتوں میں ستار لے کر تاج محل چلے جاتے تھے۔

مولوی آزاد نے لڑکپن میں شاعری کی طرف بھی رغبت رکھی اور اس فن کا شوق دلانے والے عبد الواحد سرامی تھے اور آزاد تخلص ان کے استاد ہی کا رکھا ہوا ہے۔

مولوی آزاد اگرچہ بیک وقت کئی سمت میں قدم جماتے نظر آتے ہیں، ایک طرف دینی تعلیم بھی حاصل کی اور دوسری طرف شاعری اور موسیقی سے بھی کافی حد تک لگاؤ رکھا مگر عملی زندگی کا آغاز صحافت کے میدان سے کیا۔ ماہانہ "لسان

الصدق" جریدہ کی ادارت کے ساتھ ہی ادبی رسالہ "مخزن" مین مضامین لکھنا شروع کئے اور پھر جلد ہی 1902ء میں "الہلال" کے نام سے اپنا اخبار جاری کیا۔

الہلال کے اجراء کے ساتھ ہی مولوی آزاد کا علمی اور سیاسی غلغلہ بلند ہوا اور جلد ہی سیاسی افق پر چھاگئے۔ الہلال کے بعد البلاغ، تحریک حزب اللہ اور تحریکِ خلافت اسی راہ کے اہم سنگ میل ہیں لیکن 1930ء کے بعد ابو الکلام آزاد جو تجدید و احیائے دین کے علمبردار تھے، متحدہ قومیت اور کانگریس سیکولرازم کے مبلغ بن گئے۔ ابو الکلام آزاد کا انتقال 1377ھ / 1957ء میں ہوا اور دہلی کی جامع مسجد کے احاطے میں سپرد خاک ہوئے۔

اس سے قبل کہ راقم مولانا آزاد کے "ترجمان القرآن" پر کوئی تبصرہ کرے، مناسب سمجھتا ہوں کہ وقت کے مؤرخ جناب خورشید احمد صاحب کا تبصرہ جو انہوں نے مولانا آزاد کی تفسیر اور ترجمہ پر کیا ہے وہ یہاں پیش کروں۔ جناب خورشید احمد رقمطراز ہیں:

"صفاتِ باری تعالیٰ کی بحث میں وہ وقت کے مذہبی ارتقاء کے نظریات سے پوری طرح اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔"

ابو الکلام آزاد تفسیر کرتے وقت اپنی رائے کو اتنی اہمیت دے گئے کہ جو بات قرآن کے حوالے سے کوئی نہ کہہ سکا وہ آپ کے قلم سے سامنے آئی۔ آپ ادیان کی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی طرح وحدتِ ادیان کی بحث میں بھی وہ ہندوستان کی فکر اور سیاسی مصلحتوں کو کلی طور پر نظر انداز نہ کر پائے اور یہ لکھ گئے کہ

قرآن نے صرف یہ ہی نہیں بتایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔"
(تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، جلد10، ص،295-296)

مولانا آزاد نے ترجمہ قرآن کرتے وقت ایک نیا اسلوب اختیار کیا کہ لفظی، محاوراتی ترجمہ قرآن کی بجائے قرآن کریم کے الفاظ کے معنی و مطلب سمجھ لینے کے بعد اس کے مفہوم کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اسلوب کو بعد میں مولوی غلام احمد پرویز اور ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے خاصا آگے بڑھایا جس کے باعث ترجمہ قرآن معنویت سے ہٹتا چلا گیا۔

ان مترجمین قرآن نے متعدد مقامات پر آیاتِ قرآنی کا اپنی فہم کے مطابق (قرآنی فہم سے ہٹ کر) وہ مطلب بیان کیا جو متنِ قرآن سے دور ہی نہیں بلکہ متنِ قرآن کے مخالف تھا۔ مولانا آزاد نے کئی مقامات پر قرآن سے ہٹ کر آزاد ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ترجمہ کرنے کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ ترجمہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظوں کو ایک نظم کے ساتھ دوسری زبان میں ڈھالا جائے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر مترجم کی اپنی عقل اور رائے کا دخل لازم قرار پاتا ہے اور یہ ترجمہ قرآن کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ چند تراجم ملاحظہ کریں:

1۔ مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو۔O (البقرۃ: 153)

2۔ اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہاتھیوں کا ایک غول لے کر مکہ پر حملہ ہوا تھا؟ خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کروائے اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کئے؟ جنہوں نے انہیں سخت بربادی میں مبتلا کر دیا جو ان کے لئے لکھ دی گئی تھی یہاں تک کہ پامال شدہ کیفیت کی طرح تباہ ہو گیا۔ (سورۃ الفیل)

ایک عالم جو عربی زبان اور قرآنی علوم پر دسترس رکھتا ہے وہ اس ترجمہ کے بعد یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ مترجم نے وہ بات کہہ دی ہے جو منشائے الٰہی نہیں اور اپنی فہم سے متنِ قرآنی کو بگاڑ دیا ہے۔ اس ترجمہ سے یقیناً ایک صحافتی ذہن کا پتہ تو چلتا ہے لیکن مصطفوی ذہن سے دور تک ہم آہنگی نظر نہیں آتی ہے۔ لہٰذا فرق صاف ظاہر ہے۔

10۔ ابو الاعلیٰ مودودی:

آپ 3 رجب المرجب 1321ھ / 25 ستمبر 1903ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے۔ 1914ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد حیدرآباد کے ایک دارالعلوم میں داخلہ لیا مگر والد کے انتقال کے باعث تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ معاشی زندگی کا آغاز صحافتی پیشہ سے کیا اور اخبار "مدینہ" اور "الجمعیۃ" (دہلی) میں صحافی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ جلد ہی الجمعیۃ کے ایڈیٹر بھی بنا دیئے گئے اور 1928ء تک کام کیا مگر جمعیت علمائے ہند کی کانگریس سے مفاہمت کی پالیسی کے اختلاف پر الجمعیۃ سے استعفیٰ دے دیا اور پھر خود حیدرآباد دکن سے 1932ء میں رسالہ "ترجمان القرآن" کا اجراء کیا۔

مودودی صاحب کی زندگی کا ایک نیا دور "ترجمان القرآن" کی اشاعت سے شروع ہوتا ہے۔ بہت جلد آپ پنجاب منتقل ہوگئے اور 1932ء تا 1941ء اس کی اشاعت مسلسل جاری رہی اور ایک عشرے کے بعد آپ کے ہم خیال لوگوں کا 25 اگست 1941ء میں اجتماع ہوا جہاں "جماعتِ اسلامی" نام سے ایک مذہبی جماعت کی بنیاد ڈالی گئی اور مودودی صاحب کو اس کا اول بانی امیر چنا گیا۔ آپ 41 سال تک جماعتِ اسلامی کے امیر رہے اور 1972ء میں امیر کی حیثیت سے استعفی دے دیا اور 22 ستمبر 1979ء میں امریکہ کے ایک ہسپتال میں انتقال ہوا۔

مودودی صاحب نے صحافتی پیشہ کے تجربہ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت آسان اور سادہ اسلوب میں ترجمۂ قرآن اور تفسیر لکھی ہے جو ایک کم علم انسان کے لئے عام فہم ضرور ہے مگر مترجم چونکہ بنیادی طور پر عربی زبان اور دینی علوم سے واقف نہیں اس لئے مترجم عربی تفاسیر ماثورہ اور احادیث کے عربی خزانے سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکا جس کے باعث ان کا ترجمہ اور تفسیر اصل سے ہٹ کر تفسیر بالرائے بن گیا ہے اور خود مترجم اس کو تفہیم کہہ رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ترجم منشائے الٰہی سے زیادہ فہمِ مودودی کا عکاس ہے جو یقیناً دین کو سمجھنے میں نقصان دہ ہے اور ایک نئی فکر اور فرقہ کی بنیاد ہے۔ جناب مودودی اپنے مقدمہ میں خود ان باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن خدشات کا احقر نے اوپر اظہار کیا۔ وہ رقمطراز ہیں:

"میں نے اس قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے، اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔

آگے چل کر رقمطراز ہیں:

"اس طرح کے آزاد ترجمے کے لئے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ان کے مطالب کی جسارت کی جائے لیکن معاملہ کلامِ الٰہی کا تھا اسی لئے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے"۔ (تفہیم القرآن، ج:1، دیباچہ، ص:11)

جناب مودودی کے خود ان وضاحتی کلمات کے بعد ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ان کے ترجمہ یا تفسیر پر مزید اظہارِ خیال کیا جائے۔ جب وہ خود فرمارہے ہیں کہ قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم میری سمجھ میں آیا اور جس کو میرے دل نے قبول کیا، وہ تحریر کے ذریعہ منتقل کر دیا اور اپنی مرضی مسلط کرنے کے لئے ڈرتے ڈرتے آزاد خیالی کی جسارت بھی کرلی جو منشائے الٰہی کے مخالف بھی تھی۔ لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جناب مودودی کا ترجمۂ قرآن "تفہیم القرآن" خود مترجم قرآن کی اپنی قرآن فہمی کا عکاس ہے اصل قرآن کا ترجمان نہیں جبکہ کلام الٰہی کی منشائ، تفاسیر ماثورہ، اور احادیث نبوی کے بغیر ممکن نہیں۔ بغیر اس کی روشنی کے ہر ترجمہ تفسیر بالرائے ہوگا جو یقینا قرآن کے اصل کے خلاف ہوگا اور پڑھنے والے کے بنیادی دینی واسلامی عقائد و نظریات کے لئے تباہ کن۔ مودودی صاحب نے جسارت کرتے ہوئے ایک جملے میں پچھلے تمام تفسیری اور احادیث کے ذخیرے کو اپنے ان الفاظ سے مسترد کر دیا۔

"قرآن و سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر قرآن وحدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں۔"

جناب مودودی قرآن و سنت کے اس ذخیرے کو مسترد کرنے کی وجہ بھی خود بیان کر دیتے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو، حدیث کے صحیح ہونے کے لئے لازم دلیل نہیں سمجھتے۔"

(رسائل ومسائل، ج:1، ص:229)

اصولِ دین کا ہر طالب علم فنِ حدیث کے اس اصول کو سمجھتا ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لئے دو بنیادی چیزوں کی پڑتال ضروری ہے۔ اول اس کی "سند" اور دوم اس کا "متن" اور اگر سند درست ہے تو اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد پر حکم کا نفاذ ہوتا ہے مگر جناب مودودی صاحب اس اصول کو یکسر نظرانداز کرتے ہیں اور سند کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں بلکہ خود ان کا فہم بنیادی اصول اور سند ہے کہ اگر ان کی عقل نے تسلیم کرلیا تو وہ حدیث صحیح ورنہ وہ حدیث اور قرآن کے مطالب قابلِ عمل نہیں۔

امام احمد رضا اور ترجمہ کنز الایمان:

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کا تفصیل کے ساتھ علمی تعارف تو یہاں ممکن نہیں کہ مقالہ طول پکڑ جائے گا البتہ مختصر تعارف ضرور کروانا چاہوں گا تاکہ قارئین کرام، امام احمد رضا اور دیگر مترجمین قرآن کی صلاحیتوں کا از خود تقابل کر سکیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ قرآن (1330ھ) سے قبل کئی تراجم عوام میں متعارف ہو چکے تھے جن کی تعداد 25-30 سے کم نہ تھی۔ شاہ برادران کے تراجم کے ساتھ ساتھ ڈپٹی نذیر احمد، سر سید احمد خاں، عاشق الٰہی میرٹھی، فتح محمد جالندھری، مولوی وحید الزمان، مولوی اشرفعلی تھانوی اور دیگر غیر معروف تراجم عوام الناس کے مطالعہ میں آرہے تھے جبکہ مولوی محمود الحسن دیوبندی، ابو الکلام آزاد کے تراجم قرآن کی اشاعت بھی برابر ہو رہی تھی۔ قارئین کرام کو یہاں یہ ضرور بتاتا چلوں کہ یہ تمام مترجمین سوائے شاہ برادران کے اہل سنت وجماعت کے عقائد سے متفق نہ تھے۔ ان تراجم سے نت نئے عقائد اور نظریات سامنے آرہے تھے جس کے باعث عوام اہلِ سنت میں بے چینی بڑھ رہی تھی اور ضرورت اس امر کی تھی کہ اہل سنت و جماعت کے قدیمی عقائد اور نظریات رکھنے والا کوئی اہل اور مستند عالم ترجمہ قرآن کی خدمت سرانجام دے تاکہ مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ اور مضبوط رکھا جاسکے۔ بیشتر تراجم قرآن مسلمانوں کے نظریاتِ الوہیت و شانِ رسالت کے خلاف تھے۔ یہ بات بھی قطعی طور پر فہم سے بالاتر ہے کہ یکے بعد دیگرے اتنی کثرت سے اردو زبان میں تراجم قرآن کی کیا ضرورت تھی جبکہ بنیادی طور پر امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن سے قبل کے اردو قرآنی مترجمین کی ذہنی و فکری اور عقائد میں کسی حد تک ہم آہنگی بھی تھی۔ امام احمد رضا کے بعد کے مترجمین قرآن کی اکثریت بھی اسی فکر کی داعی تھی کہ مسلمانوں کے ذہن و دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کو کم کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت ورسالت کی اہمیت و افضلیت کو بھی مشکوک کیا جائے۔ البتہ اردو زبان میں تراجم قرآن کی کثرت کے باعث اردو ادب کو الفاظ اور محاورات کا ایک بڑا ذخیرہ ضرور میسر آیا۔

اکثر مترجمین نے اپنے جدید افکار و خیالات و نظریات کو تراجم قرآن میں ڈھالنے کی کوششیں کی ہیں جن کے باعث برصغیر میں نئے نئے فرقوں نے جنم لیا اور ترجمہ قرآن کے سہارے فروغ بھی پایا۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے برصغیر میں اس نازک صورتحال کے دیکھتے ہوئے اپنے احباب وخلفاء کے بے حد اصرار پر ترجمہ قرآن کا وعدہ فرمالیا اور کثیر تصنیفی مشغولیات کے باعث آپ نے اپنے ایک خلیفہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی (م1368ھ / 1948ء) سے گذارش کی کہ آپ میرے پاس کاغذ و قلم لے کر آجایا کریں، جیسے جیسے وقت ملے گا احقر قرآن کریم کا اردو ترجمہ لکھوادے گا چنانچہ اس عظیم کام کی ابتداء جمادی الاول 1329ھ میں ہوئی اور چند نشستوں میں وقفے وقفے سے یہ کام ہوتا رہا۔ مخطوطہ کے آخر میں جو تاریخ درج ہے وہ شب 28 جمادی الآخر 1330ھ ہے جہاں امام احمد رضا خاں کے دستخط بھی ہیں۔ اس طرح 13 ماہ میں چند نشستوں میں یہ کام مکمل ہوا۔ سارا مخطوطہ علامہ مولانا امجد علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں امام احمد رضا کے دستخط موجود ہیں۔ اس مخطوطہ کی فوٹو کاپی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمۂ قرآن کیونکہ 1330ھ میں مکمل ہوا لہٰذا علم الاعداد کی بنیاد پر امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل نام تجویز کیا:

"کنزالایمان فی ترجمة القرآن"

یہ ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا کی حیات ہی میں شائع ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مراد آباد سے یہ ترجمۂ قرآن مولانا نعیم الدین مراد آبادی (م1367ھ / 1948ء) کے حاشیہ "خزائن العرفان" کے ساتھ شائع ہوا اور مسلسل 100 سال سے شائع ہو رہا ہے۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے علاوہ کئی تفسیری حاشیہ اور تفاسیر اس ترجمہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ مثلاً

1۔ امداد الدیان فی تفسیر القرآن
مولانا حشمت علی خاں قادری پیلی بھیتی (م1380ھ)

2۔ احسن البیان لتفسیر القرآن
مولانا عبد المصطفیٰ الازہری، کراچی (م1989ء)

3۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن
مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی، گجرات (م1391ھ / 1971ء)

4۔ خلاصۃ التفاسیر
مولانا مفتی خلیل احمد میاں برکاتی، حیدر آباد، سندھ (م1984ء)

5۔ تفسیر الحسنات
مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور (م1980ء)

7۔ فیوض الرحمن ترجمہ روح البیان
مترجم اردو: مولانا محمد فیض احمد اویسی

امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجمۂ قرآن پر سیکڑوں اہلِ قلم کی مثبت رائے موجود ہیں جن کو یہاں پیش کرنا ناممکن ہے۔ میں یہاں ان چند اہلِ قلم کی رائے کو پیش کر رہا ہوں جو عرف میں امام احمد رضا کی فکری اور ایمانی سوچ سے ہم آہنگی نہیں رکھتے مگر انہوں نے علم دوستی کے رشتے کے باعث جو اظہارِ خیال کیا وہ یہاں پیش کر رہا ہوں، ملاحظہ کیجئے۔

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، (ڈائریکٹر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) لکھتے ہیں:
"اردو زبان میں جن اہلِ علم نے ترجمے (قرآن) کئے، آدمی ان کی نیکی، اخلاص اور محنت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تراجم کی اکثریت ایسی ہے جو قرآن مجید کے بے مثال ادبی و معنوی حسن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان خداترس اہلِ علم کو اردو زبان کے ادبی سرمایہ پر عبور حاصل نہیں تھا نیز یہ کہ ہر زبان کا اپنا اسلوب ہے جس کا ترجمہ ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ 'ذہب فلاں' [He went] لیکن اس کا ترجمہ اردو زبان میں شخصیت کے مقام و مرتبہ کے لحاظ رکھتے ہوئے جمع کے ساتھ کیا جائے گا مثلاً 'وہ تشریف لے گئے'۔ اگر کسی بڑی علمی و مذہبی، خاص طور پر پیغمبر کی ذاتِ گرامی کے ذکر میں عربی یا انگریزی سے ترجمہ مفرد ہی کیا جائے تو وہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرے گا۔ چنانچہ ترجمہ اور تشریح میں ادب کا ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔"

آگے چل کر ڈاکٹر جالندھری صاحب، امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:
"گذشتہ دنوں جب مولانا عبد القیوم ہزاروی (مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) نے ازراہِ کرام مجھے مولانا احمد رضا خاں مرحوم کے ترجمہ قرآن کا تحفہ دیا تو خاکسار نے اس ترجمہ کو مقدور بھر غور سے پڑھا۔ اس ترجمہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ترجمہ قرآن میں اور حاملِ قرآن کے مقام بلند کے آداب کو نگاہ میں رکھا ہے اور آپ نے سورۃ والضحیٰ کی آیت "ووجدک ضالا فھدی" کا جو ترجمہ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" کیا ہے، وہی زیادہ مناسب ہے"۔
(مجلہ تعارف فتاویٰ رضویہ جدید، ص:۲۱، باہتمام رضا فاؤنڈیشن، لاہور، 1993ء)

جناب کوثر نیازی (سابق وفاقی وزیر اور سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل) سورہ والضحیٰ کی آیت "ووجدک ضالا فہدی" کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"امام نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے! فرماتے ہیں:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔"

کیا ستم ہے فرقہ پرور لوگ رشدی (ملعون) کی لغویات پر تو زبان کھولنے سے اور عالمِ اسلام کے قدم بقدم کوئی کاروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایانِ ولی نعمت ناراض نہ ہو جائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشقِ رسول کا خزانہ اور معارفِ اسلامیہ کا گنجینہ ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے"

(کوثر نیازی، "امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت"، ص:19، مطبوعہ کراچی)

پروفیسر امتیاز احمد سعید (م1993ء) (سابق ڈائریکٹر، وزارت مذہبی امور، حکومتِ پاکستان)، امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ یہ ایسا ترجمہ قرآن ہے جس میں پہلی بار (دوسرے اردو تراجم قرآن کے مقابلے میں) اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر آئے تو ترجمہ کرتے وقت اس کی عظمت وجلالت، تقدس اور کبریائی ملحوظِ خاطر رہے۔ اسی طرح جب آیت میں حضور کا ذکر ہو تو ان کے مرتبے و مقام کو پیشِ نظر رکھا جائے۔"

قارئین کرام! راقم اب چند آیاتِ قرآنی کے تراجم پیش کر رہا ہے جن کا تقابل امام احمد رضا کے ترجمہ کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس تقابلی جائزہ پر اظہارِ خیال ضرور کروں گا مگر اس کا نتیجہ پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔ وہ خود تجزیہ کرلیں کہ کس کا ترجمہ قرآن ان کو منشائے الٰہی سے قریب تر محسوس ہوتا ہے اور جو ترجمہ منشائے الٰہی اور تفسیر ماثور سے قریب تر ہوں، وہی ترجمہ بھی قابلِ تقلید اور قابلِ مطالعہ ہے۔ باقی تراجم سے پھر پرہیز کرنا ضروری ہوگا کہ وہ ہمارے ایمان کو بگاڑ سکتا ہے اور ہم کو قرآن اور صاحبِ قرآن سے دور کر سکتا ہے۔

1۔ سر سید احمد کا ترجمہ قرآن:

1) قُلْ اَرَءَ يتَكُم اِنْ اَتٰكُم عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُونَ اِن كُنتُمْ صٰدِقِينَO

(الانعام: 40)

"کہ (اے پیغمبر!) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لئے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بری گھڑی آوے، کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو۔"

(جلد سوم، ص:13)

قارئین کرام! غور کا مقام ہے کیا اللہ تعالیٰ یہ خطاب نبی سے فرما رہا ہے؟ یا نبی کے ذریعہ کفار اور مشرکین سے خطاب ہے؟ اور اس ترجمہ کے بعد کیا کم علم مسلمان یہ عقیدہ اختیار نہیں کرے گا کہ نبی بھی (معاذ اللہ) خدا کے علاوہ کسی اور کو مدد کے لئے پکار سکتے ہیں اور پھر ان پر اللہ کا عذاب آسکتا ہے۔ اگرچہ بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسول دنیا میں آئے لیکن الحمدللہ کسی پر نہ عذاب آیا اور نہ کبھی کسی نبی نے عذابِ الٰہی کو معاذ اللہ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کر کے دعوت دی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مترجم یوم قیامت پر یقین نہیں رکھتے اس لئے وہ قیامت کو "بری گھڑی" تعبیر کر کے یومِ آخرت پر بھیلوگوں کا ایمان متزلزل کر رہے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے صحیح ترجمہ قرآن:

"تم فرماؤ! بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے اگر سچے ہو۔"

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

سر سید احمد خاں کا ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

2) قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًاO (اسریٰ: 88)

"یعنی کہہ دے اے پیغمبر! اگر جمع ہو جاویں اس یعنی "شہروں کے رہنے والے" اور "جن یعنی بدو" جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے، اس بات پر کہ کوئی چیز اس قرآن کی مانند لادیں تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔" (جلد ششم، ص:138)

قارئین کرام! اس ترجمے سے ایک نیا عقیدہ سامنے آیا کہ قرآن نے لفظ "جن" دیہاتی لوگوں (یعنی بدو جو خالص عربی زبان جانتے ہیں) کے لئے استعمال کیا ہے جبکہ قرآن نے "جن" کو ایک الگ مخلوق بتایا ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور ان کا سردار ابلیس قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ (الرحمن:15)

" اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے"

وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ (الحجر:۲۷)

"اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھویں کی آگ سے۔"

محسوس یہ ہوتا ہے کہ مترجم اس مخلوق کی تخلیق کے قائل نہیں اس لحاظ سے یقیناً وہ ابلیس کے وجود کے قائل بھی نہیں ہوں گے اور ان کا اس مخلوق سے انکار حقیقتاً قرآن کی منشاء الٰہی کا انکار ہوگا۔ فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔ صحیح ترجمہ ملاحظہ کریں:

"تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔" (ترجمہ کنزالایمان)

آخر میں مولوی عبدالحق حقانی، مصنف "تفسیر فتح المنان" کی رائے کو پیش کر رہا ہوں جو انہوں نے سرسید احمد کے ترجمہ اور تفسیر سے متعلق اپنے مقدمہ قرآن میں لکھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"تفسیر القرآن، آنر ایبل سید احمد خاں بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے۔ اس شخص نے ترجمہ شاہ عبد القادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے خیالاتِ باطلہ کو جو ملحدین یورپ سے حاصل کئے ہیں اور جن کا اتباع، ان کے نزدیک ترقی، قومی اور فلاحِ اسلام ہے اور بے مناسب آیات واحادیث واقوال علماء کو اپنی تائید میں لاکر الہامِ الٰہی کو تحریف کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب تحریف قرآن ہے اور خاں بہادر کی اسی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے۔"

2۔ عاشق الٰہی میرٹھی کا ترجمہ قرآن:

اللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ O (البقرۃ: 15)

ترجمہ: "اللہ ہنسی کرتا ہے ان کے ساتھ اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں۔"

قارئین کرام! کیا کسی کا ہنسی مذاق اڑانا شریعت میں جائز ہے؟ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے اس عمل کو لکھنا کیونکر جائز ہوگا جیسا کہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھ رہے کہ "اللہ ہنسی کرتا ہے"۔ ایک عربی دان تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ جملہ عربی قواعد کے مطابق ہے کہ صنعت مشاکلت میں کسی بھی جرم کی سزا کے لئے بھی انہی الفاظ مین جواب دیا جاتا ہے مگر دونوں کے معنی میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً استہزیٰ کے معنی مذاق اڑانا یا ہنسی اڑانا ہے لیکن یہاں جب اللہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے کہ وہ ہنسی اڑانے کی سزا ان کو دے گا مگر جب اس کا اردو ترجمہ کیا جائے گا تو یہ ضرور دیکھا جائے کہ جرم کون کررہا ہے اور سزا کون دے رہا ہے، اس کی مناسبت سے اردو میں ترجمہ کرنا چاہئے ورنہ یہ صریح اللہ کی صفت میں بے ادبی اور گستاخی قرار پائے گا۔ مولانا احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

"اللہ ان سے استہزیٰ فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔"

امام احمد رضا نے یہاں لفظ "استہزاً" کا اردو زبان میں ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کو تشابہ خیال کرتے ہوئے اور صفت مشاکلت کو مدنظر رکھتے ہوئے احتیاط برتی ہے اور استہزاً کو اس کی شان کے لائق کہہ کر چھوڑ دیا۔

وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوٰى (طٰہٰ: 121)

"اور آدم نے نافرمانی کی پس گمراہ ہوئے۔"

اس ترجمہ کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان یقیناً یہ عقیدہ قائم کرے گا کہ انبیاء کرام بھی (معاذ اللہ) گمراہ گذرے ہیں،
،وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دنیا میں نافرمانی کرتے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ نبوت

